

الصَابُون

(۲)

سعید احمد اکبر آبادی

مستشرقین

مستشرقین نے بھی اس گتھی کو سلجھانے کی کوشش کی ہے۔ اور بعض نے تو اس پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں سب سے پہلے چولسن (CHWOLSAN) نے جرمن زبان میں ”فرقہ صابیم اور صابیت“ (DIE SCABIER UND DER SSABISMUS) کے نام سے ایک کتاب ۱۸۵۶ء میں لکھی۔ یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری ہے۔ لیکن یہ کس پایہ اور مرتبہ کی کتاب ہے؟ اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جھوس پیڈرسن (JOHS PEDERSEN) جس نے خود صابیم پر ایک فاضلانہ مقالہ لکھا ہے چولسن کی کتاب کے متعلق لکھتا ہے، ”یہ کتاب اس موضوع پر بنیادی سے زیادہ ہے۔ اور اس میں مصنف نے اپنا جو نقطہ نظر پیش کیا ہے، اس مضمون کے طلباء میں اب تک وہی مقبول ہے (۳۰)۔ اس کتاب میں کیا ہے؟ اسے بھی موصوف کی زبان سے سنئے۔ لکھتے ہیں۔

چولسن کی تحقیقات کے نتائج حسب ذیل ہیں:

(۱) کتاب ”روغنا فقین“ (REFUTATION OF HERESIUS) (جو

موجودہ تحقیقات کی روشنی میں ہپولیس (HIPPOLYTUS) متوفی ۲۳۵ء سے منسوب کی جاتی ہے) میں بیان کیا گیا ہے کہ الخسائی نام کا ایک شخص پرٹھیا سے ایک کتاب لے کر آیا جس کی نسبت اس کا دعویٰ تھا کہ اس پر ایک

فرشتہ نے نازل کی ہے۔ اور اس نے وہ کتاب ایک شخص کے حوالے کی جس کا نام صوبیہ تھا۔ اس نام سے پتہ چلتا ہے کہ صوبیہ اسی کی طرف منسوب تھے اور یہ صوبیہ وہی ہیں جنہیں منڈینس کہا جاتا ہے۔

(۲) اس فرقہ کی نسبت ابن ندیم فہرست میں لکھتا ہے،، واسط اور بصرہ کے درمیان جو ترانی کا میدان ہے اس میں ایک فرقہ پایا گیا ہے جس کا نام المغتسلہ ہے اس فرقہ کے بانی کا نام الحسیح تھا۔

(۳) یہ صوبیہ (منڈینس) وہی ہیں جن کا ذکر قرآن میں تین مقامات پر آیا ہے جیسا کہ نور برگ (NORBERG) اور میخائیل (MCHAEELIS) کا قیاس ہے۔ یہ نام آرامی زبان کے لفظ (YIY) سے مشتق ہے جس کے معنی غوطہ لگانا ہیں۔

(۴) پھر انہیں لوگوں میں مانویہ پیدا ہوئے کیونکہ مانی کا باپ فتاق جب اس کی بیوی حاملہ تھی، ان لوگوں میں آ بسا تھا (۳۱)۔ غرض کہ خلاصہ یہ ہے کہ یہ صوبیہ وہی ہیں جن کو عرب مورخین مغتسلہ کے نام سے جانتے ہیں اور یہی منڈینس کہلاتے ہیں۔ منڈینس یا عرب مورخین کے مغتسلہ قرآن کے صوبیہ ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اس پر ہم آگے چل کر بحث کریں گے۔ اس سے پہلے یہ معلوم کر لیجئے کہ دوسرے مستشرقین اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ ڈاکٹر اسپرنگر نے مروج الذهب کے انگریزی ترجمہ کی جلد اول میں لکھا ہے کہ قدیم مستشرقین ہوٹنگر (HOTTINGER) نے بھی اپنی کتاب (HISTORIA ORIENTALIS) کی جلد اول کے آٹھویں باب میں صوبیہ مذہب سے مستقل اور مفصل بحث کی ہے؟ لیکن اس ساری بحث کا بھی دارو مدار ابن ندیم کی الفہرست ہی ہے۔ اگرچہ ڈاکٹر اسپرنگر کے بقول مصنف کو نہ کتاب کا نام صحیح معلوم تھا اور نہ اس کا علم تھا کہ مصنف (ابن ندیم) کس عہد سے تعلق رکھتا تھا (۳۲)۔

رچرڈ بیل لکھتا ہے،، میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ جنوبی عرب کے عیسائی جو شمالی عرب کے عیسائیوں سے جن کو نصاریٰ کہا جاتا ہے بالکل

ممتاز تھے انہیں کو صابی کہا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ شہر سبا کے باشندے تھے۔ اس لئے ”س“ ”ص“ سے بدل گیا اور یہ صابی کہلانے لگے لیکن موصوف کو خود اس بات کا اعتراف ہے کہ عربی زبان میں سین اور صاد کا فرق معمولی نہیں ہے اس لئے ایک دوسری توجیہ یہ کرتے ہیں کہ ممکن ہے اس سے مراد الکسایون ہوں جن کے بچے محمد (ﷺ) کے زمانے میں عرب کے شمالی مغربی حصہ میں پائے جاتے تھے“ (۱۳۱)۔

ان توجیہات میں سے پہلی توجیہ کی رکاکت کو خود مصنف نے تسلیم کیا ہے۔ رہی دوسری توجیہ تو اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ الکسایون (ELKISAITS) کا فرقہ جو الکسانی نامی ایک شخص کی طرف منسوب ہے اور جو پہلی صدی عیسوی کے اواخر یا دوسری صدی کے اوائل میں وادی اردن میں ظاہر ہوا تھا اگرچہ توحید کا قائل تھا اور بتوں کے نام پر جو جانور ذبح ہوتے تھے ان کو حرام قرار دیتا اور بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا تھا لیکن اول تو یہ فرقہ یہودیت کی ایک شاخ تھا (۱۳۱)۔ اور اس کے علاوہ جس شخص کی طرف یہ منسوب ہے اسے اگرچہ خود صاحب کتاب ہونے کا دعویٰ تھا لیکن کسی حدیث یا کسی اثر و خبر سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ آنحضرت ﷺ اس پیغمبر اور اس کی کتاب کو آسمانی کتاب مانتے تھے۔ بلکہ پورے ذخیرہ احادیث و آثار میں اس کا نام تک کہیں مذکور نہیں ہے۔ اس بنا پر الکسایون کا مصداق اس فرقہ کو قرار دینا محض دور از کار اور بعید از قیاس بات ہے۔

اس سلسلہ میں ڈاکٹر اسپرنگر نے ایک عجیب مضحکہ انگیز بات کہی ہے۔ قرآن مجید میں حضرت یحییٰ کے تذکرہ میں ہے ”وَاتَيْنَاهُ الْحِكْمَ صَبِيًّا“ ڈاکٹر اسپرنگر کی رائے یہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت میں صحیح قرأت بجائے ”صَبِيًّا“ کے ”صَابِيًّا“ ہونی چاہئے۔ قرآن مجید میں اعراب بشمول الف تو بعد میں لگے ہیں اس لئے موصوف کا خیال ہے کہ اگر اصل میں لفظ ”صَابِيًّا“ ہو اور بعد میں وہ ”صَبِيًّا“ ہو گیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے

کے حضرت یحییٰ کو (JOHN THE BAPTIST) کہا جاتا ہے اور شامی زبان میں بیٹسٹ کا ترجمہ ”صابی“ ہے (۳۵)۔ مطلب یہ ہے کہ جو فرقہ صابیہ کے نام سے معروف ہے وہ حضرت یحییٰ کا پیرو اور ان کی امت ہے۔

ڈاکٹر اسپرنگر نے جو رائے ظاہر کی ہے وہی رائے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کرا اوڈے وؤ (B. CARRA DE VANX) کی ہے چنانچہ لکھتے ہیں۔

”صابیوں“ دو مستقل الگ الگ فرقوں کا نام ہے (۷)۔ منڈینس (MANDEANS) یا صیبا (LUBBAS) منڈنس یونانی زبان کا لفظ ہے اور معنی ہے ”اہل معرفت“ جنہیں انگریزی میں (GNOSTICS) کہتے ہیں۔

یہ عراق کا ایک نیم یہودی اور نیم عیسائی فرقہ تھا جسے حضرت یحییٰ کا پیرو (CHRISTIANS OF JOHN THE BIPTIST) کہا جاتا ہے۔ یہ فرقہ بیتسم کی رسم ادا کرتا تھا اور (۲) دوسرے حرائی یہ ایک بیدین (PAGAN) فرقہ تھا جو اسلام کے زیر سایہ عرصہ تک قائم رہا۔ قرآن میں جن صابیوں کا ذکر اہل کتاب یعنی یہود اور نصاریٰ کے ساتھ آیا ہے اس سے بظاہر پہلا فرقہ یعنی پیروان حضرت یحییٰ مراد ہے۔ اور یہ نام عبرانی زبان کے لفظ ”صیم“ (S. B) جس کے معنی غوطہ لینا یا بیتسم لینا ہے اس سے بحذف العین ماخوذ ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر بات یہی ہے تو حرائی جو برے دین اور مشرک تھے ان کا نام صابیہ کیوں کر ہو گیا؟ اس کے جواب میں موصوف کہتے ہیں ”غالباً حرائیوں نے اپنے لئے یہ نام اس لئے اختیار کر لیا تھا کہ اس آڑ میں وہ مسلمانوں سے وہ مراعات حاصل کر سکیں گے جو قرآن یہود اور نصاریٰ کو اہل کتاب ہونے کی بنا پر عطا کرتا ہے (۳۶)۔

یہ منڈینس کون لوگ ہیں؟ کہاں آباد تھے؟ ان کا مذہب کیا تھا؟ اور کیا یہ کوئی آسمانی کتاب بھی رکھتے تھے؟ مسٹر ڈبلو برانڈ (W. BRAND) نے انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس (۳۷) میں ایک طویل اور فاضلانہ مقالہ لکھا ہے جس سے ان پر اور ان کے علاوہ اس سلسلہ کے دوسرے سوالات پر

روشنی پڑتی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے فرقوں کی حیثیت سے یا ایک منفرد خاندانی گروپ کی حیثیت سے اب سے چالیس برس پہلے تک اور ممکن ہے اب بھی ہوں۔ فرات اور دجلہ کے نشینی علاقوں میں اور ان دریاؤں کے کناروں پر آباد تھے جو مشرقی عراق عرب اور اس سے متصل ایرانی صوبہ خوزستان کی آبیاری کرتے تھے۔ مندرجہ بالا سوالات کے متعلق جو کچھ موصوف نے لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ لوگ حضرت یحییٰ کو پیغمبر مانتے تھے اور اہل کتاب بھی تھے۔ ان کی متعدد کتابیں عیسائی مشنریوں کی کوشش سے آج کل یورپ کی لائبریریوں میں اچھی خاصی تعداد میں محفوظ ہیں ان میں اہم کتابیں دو ہیں ایک سدرابا (SIDRA RABBA) جس کے معنی عظیم کتاب کے ہیں اور دوسری گنزا (GENZA) پہلی کتاب ان کے عقیدہ میں وہ ہے جو حضرت یحییٰ پر نازل ہوئی تھی ان کتابوں میں جو مضامین بیان کئے گئے ہیں وہ مذہبی مسائل و احکام عرفانی رموز و اسرار (MYTHOLOGICAL) اخلاقی مباحث اور تاریخی واقعات سے متعلق ہیں اور ادعیمہ اوراد و اذکار ان میں خلط ملط ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی نسبت ہمارے قدیم مورخین نے لکھا ہے کہ یہ نماز قبلہ رو ہو کر پڑھتے تھے۔ روزہ بھی رکھتے تھے۔ ختنہ کی رسم بھی ان میں رائج تھی اور اکل و شرب اور نکاح کے متعلق ان کے ہاں جو احکام و مسائل تھے وہ اسلامی احکام و مسائل سے ملنے جلتے تھے قرآن میں حضرت یحییٰ کا صاحب کتاب ہونا مذکور ہے چنانچہ ارشاد ہے ”یا یحییٰ خذ الكتاب بقوة“ (مریم)۔

ان امور کے پیش نظر خیال ہو سکتا ہے کہ قرآن کے صائبہ یہی لوگ ہیں لیکن اسی مقالہ نگار نے اس سلسلہ میں جو اور تفصیلات لکھی ہیں ان سے اس کی تردید ہو جاتی ہے۔ چنانچہ (GENZA) جس کا ذکر اوپر آچکا ہے موصوف اس کے متعلق لکھتے ہیں۔

”اس کتاب کے ابواب و فصول جو غالباً سب سے زیادہ قدیم ہونے

کی وجہ سے ہماری توجہ کے سب سے پہلے مستحق ہیں وہ

ہیں جن میں مشرکانہ عقائد پائے جاتے ہیں یا کم از کم وہ

مشرکانہ نقطہ نظر پر مبنی ہیں ان میں سے بعض ابواب کا آغاز ان افکار و آراء سے ہوتا ہے جو دنیا کی تمام چیزوں یہاں تک کہ دیوتاؤں کی دنیا کی تخلیق سے متعلق ہیں۔ اس گروپ میں وہ تمام سکشن (حصے) داخل ہیں جن میں مابعد الطبیعیاتی عقائد بیان کئے گئے ہیں اس سلسلہ میں ثمر اعظم جس سے دوسرے بیسمار ثمر پیدا ہونے ہیں اور اسی طرح عظمت کا مانائے اعظم جس سے دوسرے ماناؤں نے جنم لیا ان کا ذکر کیا گیا ہے اس سلسلے کی اصل عبارتوں میں معانی و مطالب کے اعتبار سے اس درجہ اختلاف ہے کہ ان سے کسی بنیادی خیال یا نقطہ نظر کا معلوم کرنا سخت دشوار ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان میں باہمی تضاد بھی ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تصورات منڈینس علما نے دوسرے خارجی ذرائع سے اس وقت حاصل کئے تھے جب کہ ابھی خود ان کی کتابیں نہیں لکھی گئی تھیں۔ (۲۸)۔

اگرچہ اس کتاب میں توحید کی طرف اشارے بھی ملتے ہیں۔ چنانچہ اس میں ایک نور کے بادشاہ کا ذکر ہے جس کا مقام سب سے بلند اور ارفع ہے جو تمام اجرام علویہ کا آقا اور تمام شکلوں اور صورتوں کا خالق۔ نیکی اور اچھائی کا سرچشمہ ہے اور اس کے سامنے جنت میں فرشتے دست بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ لیکن یہ تبدیلی چوتھی یا پانچویں صدی سے ہوئی ہے (۲۹)۔ اس بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس فرقہ کا اصل مذہب توحید تھا۔ اب رہا یوم آخرت پر ایمان جو اہل کتاب ہونے کے لئے ضروری ہے تو یہ ہی مقالہ نگار لکھتا ہے۔

”حشر کا عقیدہ تو ان لوگوں کی دینیات میں کہیں ہے ہی نہیں۔ اس بنا پر گنزا نامی کتاب میں اس کا ایک مقام پر جو حوالہ ملتا ہے وہ غالباً یہودی یا عیسائی لٹریچر سے بے پروائی کے ساتھ نقل کر لیا گیا ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کے پورے ذخیرہ

ادبیات میں پتہ نہیں چلتا کہ یہ لوگ سبت مناتے تھے ، ختمہ کی رسم ان میں رائج تھی ، یا عبادت میں بیت المقدس کی طرف رخ کرتے تھے (۳۰) -

یہ سب کچھ لکھنے کے بعد موصوف کہتے ہیں کہ ان لوگوں (منڈینس) میں اور فرقہ مانویہ (مانی کو پیغمبر مانتے والا) میں بہت قریبی مماثلت ہے (۳۱) علاوہ ازیں ایک انگریز خاتون مسز ای - ایس ڈراور (E.S. DRAWER)

جس نے عراق اور ایران کے منڈینس کے درمیان کئی برس گزارنے کے بعد ان ایک بڑی فاضلانہ اور قابل قدر کتاب لکھی تھی ان کی بھی رائے یہ ہے ان لوگوں میں اور مانی کے پیروں میں بہت مشابہت ہے - موصوف نے یہ لکھا ہے کہ یہ عراقی گروہ حرانیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا - یہ وہ لوگ دراصل فرقہ مانویہ کے ہی برگ و بار تھے - لیکن چونکہ مسلمانوں کے عہد حکومت میں مانوی لوگ اچھے نہیں سمجھے جاتے تھے - اس لئے ان لوگوں نے اس فرقہ سے اپنی بے تعلقی ظاہر کی ہے اور ساتھ ہی اپنے عقائد و افکار کے اظہار میں انہوں نے نو افلاطونی زبان استعمال کرنی شروع کی اور یہ سب کچھ اس غرض سے تھا کہ ان کے اصل مذہب کی کسی کو ہوا نہ لگے (۳۲) -

ان لوگوں کے اخفائے مذہب کا اب تک یہ عالم ہے کہ موصوف سے پہلے مسٹر پیٹرمن (PETERMANN) اور سووی (SIOUFFI) ان میں کئی کئی مہینے جا کر رہے مگر اس کے باوجود ان کی ایک مذہبی رسم تک نہیں دیکھ سکے - اس سے یہ صاف ظاہر ہے یہ لوگ درحقیقت مشرک ہی تھے - مگر اسلام کے ابتدائی دور میں کچھ توحید کی سی باتیں کرنے لگے تھے - پھر ان کی کتاب میں تقیہ کی جو تعلیم ہے اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ کس درجہ کے توحید پرست اور صاحب کتاب تھے - گنزا میں لکھا ہے -

،، اگر تم لوگوں پر (عیسائیوں کی طرف سے) ظلم و ستم کیا جائے تو تم کہدو کہ ،، ہم تو تمہارے ہی ہیں ،، مگر اپنے دلوں میں اس کا ہرگز اقرار نہ کرو اور نہ اپنے آقا ،، نور کا شاہ بلند ،، کی آواز

سے سرتابی کرو۔ کیونکہ دروغ گو مسیح کو پوشیدہ باتوں کی

خبر نہیں ہوتی۔“ (۳۲) -

جیسا کہ ہم نے اوپر نقل کیا ہے مستشرقین ان لوگوں کو عموماً حضرت یحییٰ کا متبع مانتے ہیں۔ مگر موصوفہ لکھتی ہیں، ”یہ کہنا کہ یہ لوگ بیتسمہ لیتے وقت یحییٰ (JHON THE BAPTIST) کا نام لیتے ہیں محض ایک افسانہ ہے۔“ (۳۳) ان لوگوں کے اہل کتاب ہونے کا یہی آخری سہارا تھا وہ بھی ختم ہوا۔ بلاذری نے عراق کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بنو تغلب کے عیسائیوں کو اہل کتاب تسلیم نہیں کیا۔ اور اس بنا پر ان سے جزیہ لینا منظور نہیں کیا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ شہر چھوڑ چھوڑ کر کثیر تعداد میں دوسرے علاقوں میں جا بسے۔ حضرت عمرؓ کے اس فیصلے کی توجیہ ایک فقیر داؤد بن گردوس نے یہ کی ہے کہ چونکہ ان لوگوں نے تصبیغ (BAPTISM) کو اپنے مذہب میں داخل کر لیا ہے اس لئے ان کو اہل کتاب کی طرح ذمی قرار نہیں دیا گیا۔“ (۳۵) داؤد بن گردوس نے اس موقع پر ان لوگوں کے دین کے لئے معمودیہ کا لفظ استعمال کیا ہے جس کے معنی تصبیغ (BAPTISM) ہیں (۳۶)۔

مستشرقین عام طور پر کہتے ہیں کہ منڈیس جو ان کے خیال میں درحقیقت صابیہ ہی ہیں عراق اور ایران کی سرحد پر پھیلے ہوئے تھے لیکن اگر یہ لوگ قرآن کے ایما کے مطابق واقعی صابیہ اور اہل کتاب تھے تو عراق و ایران کے فتوحات کے سلسلہ میں مورخین کے ہاں کہیں تو اس حیثیت سے ان کا ذکر آنا چاہئے تھا ہماری رائے میں فتوح البلدان میں جن کو معمودیہ کہا گیا ہے وہ یہی منڈیس تھے اور چونکہ حضرت عمرؓ نے ان کو اہل کتاب تسلیم نہیں کیا اس لئے یہ ثابت ہوا کہ یہ لوگ قرآن کے صابیہ نہیں تھے۔ امام ابو حنیفہؒ سے البتہ ایک روایت ہے کہ صابیہ اہل کتاب ہیں اور ان کے ساتھ وہی معاملہ ہونا چاہئے۔ لیکن ہمارا خیال ہے کہ یہ منڈیس جن کو مسلمانوں نے فتوحات کے زمانہ میں اہل کتاب تسلیم نہیں کیا اور اسی کی وجہ سے ان کو پریشانی اٹھانی پڑی تھی انہی لوگوں نے بعد میں مسلمانوں کا اعتماد حاصل کرنے کی

غرض سے اپنے آپ کو صابی کہنا شروع کر دیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مورخین اور فقہاء دونوں انہی لوگوں کو قرآن کا صابیہ سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف تھا۔

ابن ندیم نے ایک عیسائی مصنف ابو یوسف البیشیع القطیمی کی کتاب جو حرانیوں کے مذاہب کے بارہ میں ہے اس کے حوالہ سے ایک واقعہ لکھا ہے جس سے ہمارے اس قیاس کی پر زور تائید ہوتی ہے۔ چونکہ واقعہ دلچسپ ہے اور اس سے موضوع بحث کے اور گوشوں پر بھی روشنی پڑتی ہے اس لئے ہم اسے بعینہ نقل کرتے ہیں۔

„مامون رشید اپنے عہد خلافت کے آخری دنوں میں رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا تو مصر کے علاقوں سے اس کا گذر ہوا۔ یہاں اُس سے بہت سے لوگ ملے جو اس کے لئے دعا کرتے تھے۔ ان لوگوں میں حرانیوں کی ایک جماعت بھی تھی یہ لانی قبائیں پہنے ہوئے تھے اور ان کے بال بھی بڑے طول طویل تھے۔ مامون کو ان کی یہ ہیئت عجیب سی معلوم ہوئی اُس نے پوچھا، „کیا تم ذمی ہو؟“ انہوں نے جواب دیا، „ہم حرانی ہیں“ مامون نے کہا، „کیا تم نصاریٰ ہو؟“ یہ بولے، „نہیں“ مامون نے پھر پوچھا، „کیا تم یہودی ہو؟“ انہوں نے اس کا جواب بھی نفی میں دیا۔ مامون نے سوال کیا، „کیا تم مجوسی ہو؟“ جب انہوں نے اس سے بھی انکار کیا تو مامون نے کہا، „کیا تم کسی کتاب یا نبی کو مانتے ہو؟“ اس سوال کا جواب بھی وہ ٹھکانے سے نہیں دے سکے تو مامون نے کہا، „تم لوگ زندیق یعنی بت پرست ہو۔ تم ذمیوں کے حکم میں داخل نہیں ہو سکتے“ یہ بولے، „ہم تو جزیہ دیتے ہیں“ مامون نے جواب دیا، „جزیہ تو ان لوگوں سے لیا جاتا ہے جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا ہو۔ اور وہ ان ادیان میں سے کسی دین کو مانتے ہوں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب

قرآن) میں کیا ہے۔ ان کے پاس کوئی کتاب بھی ہو اور مسلمانوں نے اس پر ان سے مصالحت کر لی ہو تم نہ ان لوگوں میں سے ہو اور نہ ان لوگوں میں اب تمہارے لئے دو ہی راستے ہیں یا تو اسلام قبول کر لو یا جو ادیان معروفہ ہیں ان میں سے کسی دین کے پیرو بن جاؤ۔ ورنہ میں تم سب لوگوں کو قتل کردوں گا۔ اس کے بعد مامون نے کہا کہ میں سفر میں جا رہا ہوں واپسی تک کی تم کو مہلت دیتا ہوں اس وقت تک کوئی فیصلہ کر لو۔ اس گفتگو کے بعد جب مامون روانہ ہو گیا تو ان لوگوں نے اپنا لباس بدل دیا۔ بال مندوا ذئبے اور ان میں سے بہت سے لوگ عیسائی ہو گئے۔ ایک طبقہ مسلمان ہو گیا اور کچھ لوگ اپنے پرانے مذہب پر ہی قائم رہے۔ وہ سخت پریشان تھے کہ گلو خلاصی کی کیا تدبیر کریں۔ اسی اثنا میں ایک حرانی فقیہ ان کے پاس آیا اور بولا میری سمجھ میں تمہارے لئے ایک تدبیر آئی ہے اگر تم نے اسے کر لیا تو بیچ جاؤ گے۔ ان لوگوں نے اس کو بہت کچھ مال منال دیا اور پوچھا وہ کیا تدبیر ہے؟ فقیہ نے کہا وہ یہ ہے جب مامون واپس آئے تو تم لوگ کہنا کہ ہم تو صابیون ہیں۔ یہ اس دین کا نام ہے جس کا ذکر اللہ نے قرآن میں کیا ہے۔ ان لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی اور یہ اپنے آپ کو صابیون کہنے لگے۔ ادھر یہ ہوا کہ مامون کا سفر میں ہی انتقال ہو گیا۔ مگر اس وقت سے یہ لوگ صابیہ کے نام سے مشہور ہو گئے اور اس کا اثر یہ ہوا کہ ان میں سے جن لوگوں نے عیسائی مذہب کو قبول کر لیا تھا وہ بھی اپنے پرانے مذہب کی طرف لوٹ آئے ورنہ حران یا اس کے اطراف و جوانب میں اس وقت تک کوئی قوم ایسی آباد نہیں تھی جسے صابیہ

اس واقعہ سے یہ تو بیشک ثابت ہو گیا کہ یہ لوگ جنہوں نے مامون کے آخری عہد خلافت میں (سنہ ۲۲۸ھ - ۸۳۰ء) حکومت سے ڈر کر صایہ کا نام اختیار کر لیا تھا اصلی صایہ نہیں۔ لیکن اس سے اصل مسئلہ کا حل نہیں ہوتا۔ یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے کہ قرآن میں جب اس فرقہ کا نام اس اہتمام سے آیا ہے تو یقیناً اس فرقہ کو عہد رسالت میں نہیں بلکہ اس سے بھی پہلے سے اسی نام کے ساتھ معروف و مشہور ہونا چاہئے اور چونکہ ان آیات متعلقہ کے نزول کے بعد کسی صحابی سے یہ مروی نہیں ہے کہ انہوں نے حضور سے پوچھا ہو کہ یہ صایہ کون ہیں؟ اس لئے معلوم ہوا کہ یہ فرقہ اسی نام سے عہد رسالت میں موجود تھا اور سب مسلمان ان کو اچھی طرح جانتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین تو غور و فکر کے بعد صحیح یا غلط صایہ کا مصداق کسی ایک فرقہ کو متعین طور پر بناتے بھی ہیں ہمارے عرب مورخین کے بیانات اس درجہ منتشر اور غیر مربوط ہیں کہ کسی ایک نتیجہ پر پہنچنا بڑا مشکل ہے۔ مثال کے طور پر ہم مسعودی کے بیانات کو یکجا نقل کرتے ہیں جو قدیم مورخ ہے۔ اس پر دوسرے مورخین کو بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب بیانات کتاب التنبیہ والاشراف مکتبہ عسریہ بغداد سنہ ۱۹۳۸ء سے ماخوذ ہیں۔

(۱) شاہان روم اپنے اپنے طبقہ کے مطابق حنفا تھے اور وہی صابیون ہیں یہ اس زمانہ کی بات ہے جبکہ انہوں نے عیسائیت کو قبول نہیں کیا تھا۔ قیصر فلپس (FILLIPPOS) نے عیسائیت کو قبول کیا اور صایہ مذہب ترک کر دیا۔ جولینس (JULIANUS) پوشیدہ طور پر صابی تھا۔ چنانچہ جب یہ تخت نشین ہوا تو اس نے عیسائیت کو خیر آباد کہا اور صرف یہ ہی نہیں بلکہ جتنے گرجا تھے سب کو منہدم کر کے ان کی جگہ تماثل صایہ از سرنو قائم کر دئیے۔ علاوہ بریں جو لوگ پھر حنیفیت کی طرف واپس نہیں آئے ان کو موت کی سزا دی۔ جو لوگ

حنیفیت کی طرف رجوع کر لیتے تھے ان کی علامت یہ تھی کہ آگ پر لوہان ڈالتے اور حنفا کے ہاتھ کے ذبیحہ قربانی کے جانور کھاتے تھے (۳۸) صابین مصر وہی ہیں جن کے بچے کچے اب حرائی ہیں۔ یہ لوگ هرمس (HARMUS) اور انمائیڈیمون (AGATHODAIMON) جو مشہور فراعنہ مصر ہیں ان کو پیغمبر مانتے تھے۔ مذکورہ بالا دونوں فراعنہ میں ایک ہزار برس کی مدت کا فاصلہ ہے۔ سکان مصر جو دراصل قبطی ہیں وہ ان کو پیغمبر تو مانتے تھے مگر صاحب وحی نہیں۔ ان کا اعتقاد تھا کہ ان دونوں کے نفوس پاک و صاف اور اس عالم کے میل کچیل سے میرا و منزہ تھے (۳۹)۔

(۳) گشتا سب جس کی مدت حکومت ۱۲۰ برس ہے اس کو حکومت کرنے تیس برس ہونے تھے کہ زردشت کا ظہور ہوا اور بادشاہ نے اس کا مذہب مجوسیت قبول کر لیا۔ سب اہل مملکت بھی مجوسی ہو گئے۔ ورنہ اس سے پہلے یہ لوگ حنفا یعنی صابنوں تھے اور یہ وہی مذہب ہے جس کی تبلیغ بوداسپ نے طہمورث کو کی تھی اور یہ (صابیہ) سریانی زبان کا لفظ ہے جس کو معرب کر لیا گیا ہے اور اس کی اصل حنیفوا ہے (۵۰)۔

(۴) اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صابین صابی بن مشوشلخ بن ادریس کی طرف منسوب ہیں۔ یہ صابی حنیفیت اولیٰ بر قائم تھا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لوگ صابی بن ماری سے نسبت رکھتے ہیں۔ یہ صابی حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں تھا (۵۱)۔

(۵) اور سمنیہ (شمنیہ) یہ لوگ چین کے صابنہ ہیں اور یہ اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ سب بوداسپ کے مذہب کے پیرو ہیں۔ یونان کے عوام بھی صابیہ ہیں اور یہ نماز میں رخ مشرق کی طرف کرتے ہیں اور صابیہ مصر جن کے بقایا حران کے صابیہ ہیں، یمن کی طرف رخ کرتے ہیں، وہی ان کا قبلہ ہے۔ یہ لوگ ان بہت سی چیزوں کو کھانا جائز

نہیں جانتے جن کو یونان کے صائبہ کھاتے ہیں مثلاً خنزیر ، چوڑے ،
لہسن اور لویا (۵۲) -

مسعودی متوفی سنہ ۳۴۶ھ کے مندرجہ بالا بیانات کو دیکھ کر سخت
تعجب ہوتا ہے کہ صرف یہ ہی نہیں کہ وہ صائبہ کا مصداق کسی خاص ایک
گسروہ کسو ان کے مسلک و مذہب کو متعین طور پر بیان نہیں کر سکا ،
بلکہ اس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ صایا اور حنفا کے متعلق خود قرآن کا کیا
بیان ہے - مسعودی نے صایت اور حنیفیت دونوں کو ایک دوسرے کا مترادف اور
ہم معنی بتایا ہے اور پھر صایہ کی طرف مشرکانہ عقائد و اعمال منسوب کئے
ہیں - اس بنا پر مطلب یہ ہوا کہ حنیفیت بھی شرک کی ایک قسم تھی ،
حالانکہ قرآن میں ایک دو جگہ نہیں متعدد مقامات پر حنفا اور حنیف
کے الفاظ آئے ہیں اور ہر جگہ ان سے شرک کی نفی کی گئی ہے - مثال کے لئے
آیات ذیل پر غور کیجئے -

(۱) حنفاء للہ غیر مشرکین بہ ط (الحج)

صرف ایک خدا کے ہو کر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ
ٹھہرا کر -

(۲) ما کا ابراہیم یہودیا ولا نصرانیا و لکن کان حنیفا مسلما وما
کان من المشرکین (آل عمران)

ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ ایک حنیف
مسلمان تھے اور مشرکوں میں سے نہیں تھے -

(۳) وان اقم وجھک للددین حنیفا ولا تکونن من المشرکین
(یونس)

اور یہ کہ تو حنیف ہو کر دین پر ثابت قدم رہ اور ہرگز مشرکوں
میں شامل نہ ہو -

(۴) ان ابراہیم کان امة قانتا للہ حنیفا ولم یک من المشرکین
(النحل)

یہ شبہہ ابراہیم ایک امام ، اللہ کے فرمانبردار اور حنیف تھے اور
مشرکوں میں سے نہیں تھے ۔

(۵) ثم اوحینا الیک ان اتبع ملۃ ابراہیم حنیفا وما کان من
المشرکین (النحل)

ہم نے پھر تیری طرف وحی بھیجی کہ ابراہیم جو حنیف تھے اور
مشرکین میں سے نہیں تھے ان کا اتباع کر ۔

یہ اور ان کے علاوہ دوسری آیتوں سے بالکل صاف ظاہر ہے کہ حنیف
مشرک کی ضد ہے ۔ پھر اگر صابیت میں شرک پایا جاتا ہے تو وہ حنیفیت کے ہم
معنی یا اس کے مترادف کیونکر ہو سکتی ہے ۔

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مفسرین
ہوں یا عرب مؤرخین ، اور یا مستشرقین ، یہ سب قرآن کے فرقہ صایبہ کا
مصادق متعین کرنے میں ناکام رہے ہیں ۔ ہر ایک نے جو کچھ سنا یا پڑھایا ذاتی
طور پر تحقیق کرنے کے بعد معلوم کیا وہ لکھ دیا ہے لیکن کسی نے یہ نہیں سوچا
کہ ان کے بیان کا جامہ قرآن کے صایبہ کے قد و قامت پر بھی راست آ سکتا ہے
یا نہیں ، اس لئے اس تمام ذخیرہ معلومات و تفصیلات پر غور کرنے کے بعد ہم
جس نتیجہ پر پہنچے ہیں اب اسے بیان کرتے ہیں ۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہئے کہ لفظ صابی کی
اصل کیا ہے ؟ پہلے گذر چکا ہے عام مفسرین اور مورخین کا خیال یہ ہے کہ یہ
لفظ صباً یصباً (مہموز اللام) یا صبا یصبو (ناقص واوی) سے ماخوذ ہے جن کے
معنی علی الترتیب ترک کرنا اور مائل ہونا ہیں ۔ ایک شاذ قول یہ بھی نقل کیا
ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے ایک بھائی کا نام صابی تھا ۔ یہ لوگ اس
نسبت سے صایبہ کہلاتے ہیں ۔ محققین جدید میں سے ولہاسن
(WELLHAUSEN) اور بعض اور لوگوں کی رائے ہے کہ یہ آرامی زبان کے
ایک لفظ سے ماخوذ ہے جس کے معنی بانی میں غوطہ لگانا ہیں ۔ صایبہ
چونکہ پیتسمہ لیتے تھے اس لئے ان کو صایبہ کہا جاتا تھا (۱۵۲) ۔ لیکن

انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار کا بیان ہے کہ ”سریانی زبان کے لوگ لفظ حنیف کا اطلاق صابیہ پر کرتے تھے“ (۵۴) اس کے علاوہ مسعودی کے جو بیانات اوپر گزرے ہیں ان سے بھی معلوم ہوتا ہے حنفا اور صابیہ دونوں مترادف لفظوں کی طرح استعمال ہوتے تھے۔

مذکورہ بالا سب اقوال سے (ایک کو مستثنیٰ کر کے) یہ ظاہر ہے کہ ان سب حضرات کے نزدیک صابیہ نسلی نام نہیں ہے بلکہ مذہبی ہے۔ لیکن ہمارا خیال یہ ہے کہ یہ نام نسلی ہے۔ یعنی شروع میں صابی یا اس سے ملتے جلتے کسی لفظ کے نام کا کوئی شخص ہوگا، یہ لوگ اس کی طرف منسوب ہوتے ہونگے۔ خود ارباب لغت اور مورخین بھی اس سے خالی الذہن نہیں تھے، چنانچہ اوپر یہ قول گذرا ہی ہے کہ لوگ حضرت نوح کے چچا صابی کی نسبت سے صابیہ کہلاتے تھے (۵۵)۔ اس کے علاوہ چولسن کی کتاب کے حوالہ سے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ پرتھیا سے صابی نام کا ایک شخص ایک کتاب لیکر آیا تھا جسے وہ الہامی کتاب کہتا تھا۔ یہ دونوں بیانات صحیح ہوں یا غلط، ان سے بہر حال یہ بات تو ثابت ہو گئی کہ صابیہ نسلی نام بھی ہو سکتا ہے۔ آگے چلکر تاریخ کے مختلف ادوار میں چونکہ ان لوگوں نے مذہبی اعتبار سے مختلف چولے بدلے اس لئے اس کی مناسبت سے لفظ وضع ہوتے رہے۔ ایک فرقہ نے پیٹسٹ مذہب (مفتسلہ) اختیار کیا تو صابی کے معنی پیٹسٹ ہو گئے اور ایک فرقہ نے مذہب حنیفی قبول کر لیا تو صبا تحنف کے معنی میں مستعمل ہونے لگا اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ حضرت عیسیٰ کے پیدائشی گاؤں ناصرہ کی طرف منسوب کر کے پیروان حضرت عیسیٰ کو نصاریٰ کہتے ہیں (۵۶) مگر پھر اسی سے فعل تنصر بنا لیا گیا جس کے معنی مذہب عیسائیت کو قبول کرنا ہے۔

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ان لوگوں کا بالکل شروع میں مذہب کیا تھا؟ اور عہد بھید اس میں کیا تغیر و تبدل پیدا ہوا؟ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ دراصل یہ لوگ حضرت ادیس کے متبع تھے۔ اس سلسلہ میں امور ذیل

پیش نظر رکھنے چاہئیں۔

(۱) حضرت ادیس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ یہ حضرت آدم کے بعد

پہلے پیغمبر ہیں۔ ان کا نام اخنوخ تھا اور یہ وہی ہیں جن کو بائبل میں (ENOCH) کہا گیا اور جنہیں حضرت نوح کا جد امجد بتایا گیا

ہے۔

(۲) حضرت ادیس کے جو اوصاف و کمالات بیان کئے گئے ہیں ان میں ایک

اہم وصف اور کمال یہ تھا کہ وہ علم النجوم کے بڑے ماہر اور فاضل

تھے۔

(۳) حضرت ادیس کو ہرمس بھی کہتے تھے (۵۷)۔

(۴) صائبہ کے ساتھ نجوم و کواکب کے احترام و پرستش کی روایات اس

طرح وابستہ ہیں کہ ان کا نام سنتے ہی ذہن اجرام علویہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

(۵) مسعودی کا بیان پہلے گذر چکا ہے کہ صائبہ ملوک روم میں سے ہرمس

کو پیغمبر مانتے تھے۔

(۶) ایک قول یہ گذر چکا ہے کہ حضرت نوح کے چچا کا نام صابی تھا اور

صائبہ ان کی نسبت سے صائبہ کہلاتے تھے۔

ان سب تفتیحات کو بیک وقت پیش نظر رکھ کر غور کیجئے تو یہ

قیاس کرنا مستبعد نہیں رہتا کہ صائبہ دراصل حضرت ادیس کے متبع اور ان

کی امت تھے۔ اس بنا پر یہ لوگ موحد تھے، اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے

اور خدا کی عبادت کرتے تھے۔ لیکن جیسا کہ ہر مذہب کا قاعدہ ہے ایک

عرصہ گذرنے کے بعد یہ اپنے مذہب کی تعلیمات سے دور جا پڑے۔ حضرت

ادیس کے واسطے سے ان لوگوں میں علم النجوم کا بڑا چرچا تو تھا ہی۔ آخر

یہ لوگ کواکب پرستی کرنے لگے اور ان کے ہیاکل و تماثل کی پوجا کی شکل

میں بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ چنانچہ مسعودی کا بیان ہے۔

”جب ان لوگوں پر ایک زمانہ گذرا تو یہ بتوں کی پوجا اس

خیال سے کرنے لگے کہ یہ ان کو اللہ سے قریب کریں گے اور یہ لوگ عبادت کواکب سے مانوس ہو گئے (۵۸)۔

مندرجہ بالا عبارت کے بعد مسعودی نے لکھا ہے کہ ان لوگوں کی کواکب پرستی اس وقت تک جاری رہی جبکہ ان میں بوداسف کا ظہور ہوا۔ لیکن ہماری رائے میں یہ غلط ہے کیونکہ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں بوداسف کے ہاں سرے سے خدا کے وجود کا کھلے اور صاف لفظوں میں اعتراف موجود نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی بعثت انہیں لوگوں میں ہوئی اور یہ دعوت ابراہیمی کا اثر تھا کہ یہ لوگ پھر موحد ہو گئے۔ حضرت ابراہیم کی بعثت انہیں لوگوں میں ہوئی۔ اس کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کلدان میں پیدا ہوئے تھے۔ جس کو عام طور پر مورخین صابیہ کا وطن بتاتے ہیں (۵۹)۔ اس کے علاوہ قرآن مجید سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے۔ صابیہ نے کواکب و عقول کے ہیاکل و تماثیل بنا رکھے تھے جسے وہ پوجتے تھے حضرت ابراہیمؑ نے ان کو توحید کی دعوت دی تو فرمایا۔

يا هذه التماثيل التي انتم لها عاكفون

یہ مجسمے جن سے تم لگے بیٹھے ہو کیا ہیں؟ یعنی ان کی کیا حقیقت ہے؟

اور اس کے بعد فرمایا۔

يل ربکم رب السموات والارض الذی فطرهن و انا علی ذلکم من الشہدین (الانبیاء)

بلکہ تمہارا رب تو آسمان اور زمین کا وہ رب ہے جس نے ان (ستاروں وغیرہا) کو پیدا کیا ہے اور میں اس بات کے لئے گواہ ہوں۔

یہ لوگ ستاروں کو عالم کائنات میں موثر بالذات مانتے اور ان کی پرستش کرتے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس کا توڑ اس طرح کیا کہ ایک مرتبہ یہ لوگ ایک میلہ میں جانے لگے تو انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ

السلام سے کہا - آپ بھی چلتے - حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں پر ایک نظر کی تاکہ یہ لوگ سمجھیں کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے ان کے عقیدہ کے مطابق ستاروں کی گردش کے اثر سے ہو رہا ہے ، اور پھر فرمایا ، میں تو بیمار ہوں، قرآن نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے -

فَنظَرَ نَظْرَةً فِى النَّجْمِ فَقَالَ اِنِّى سَقِيمٌ (الصفۃ)

تب ابراہیم نے ستاروں پر ایک نظر ڈالی اور کہا بے شبہ میں بیمار ہوں -

اسی طرح سورۃ الانعام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو مشہور واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے آسمان پر ستارہ دیکھا تو کہا - یہ میرا رب ہے ، وہ غروب ہو گیا تو کہا - میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا ، پھر چاند اور سورج کے ساتھ بھی علی الترتیب یہی معاملہ پیش آیا تو آخر میں بول اٹھے -
يَقُومُ اِنِّى بِرِىءٍ مِّمَّا تَشْرِكُونَ اِنِّى وَجْهَتُ وَجْهًى لِلَّذِى فَطَرَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ حَنِيفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ -

اے میری قوم ! تم جن چیزوں کو خدا کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو میں ان سے بری ہوں ، میں نے تو اپنا رخ اس ذات کی طرف کر لیا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں -

اس سے بھی صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بعثت ان لوگوں میں ہوئی تھی جو کواکب اور اجرام علویہ کی پرستش کرتے تھے - اب رہی یہ بات کی صائبہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کو قبول کر لیا تھا اور وہ پھر موحد بن گئے تھے ، اس کا ثبوت خود تاریخ سے ملتا ہے - ابن ندیم صائبہ کے بارہ میں جس کی معلومات ڈاکٹر اسپرنگر کے بقول سب سے زیادہ صحیح اور مستند ہیں کیونکہ وہ بابل میں رہا ہے ، لکھتا ہے (۱۰۱) -

قال احمد بن عبد الله بن سلام مولى امير المؤمنين هارون احسبه الرشيد - ترجمت هذا الكتاب من كتاب الحنفاء وهم الصابئون

الابراهيمية الذين آمنوا بابراهيم عليه السلام وحملوا عنه الصحف
التي انزلها الله عليه (۱۶۱)۔

احمد بن عبد اللہ بن سلام جو امیر المومنین ہارون (غالباً رشید)
کے آزاد کردہ غلام تھے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اس کتاب کا
ترجمہ کتاب الحنفا سے کیا تھا اور یہ حنفا وہ ابراہیمی صابیہ
ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور اللہ نے
جو صحیفے ان پر نازل کئے تھے انہوں نے ان کو اپنی آسمانی
کتابیں مان لیا تھا۔

یہی وہ زمانہ ہے جب کہ صابیہ کواکب پرستی اور شرک سے تائب
ہو کر اللہ اور اس کے رسولوں پر اور عذاب و ثواب پر ایمان لے آئے تھے، نماز
پڑھنے لگے تھے اور کھانے پینے کی چیزوں میں حلال و حرام کا فرق کرنے لگے تھے
چنانچہ ابن ندیم احمد بن الطیب کی ایک تحریر کے حوالہ سے بیان کرتا ہے
جس کو اس نے کندی سے نقل کیا ہے۔

”یہ قوم (صابیہ) اسپر متفق ہے کہ عالم کے لئے ایک علت ہے جو ازلی
اور ابدی ہے۔ واحد ہے، اس میں کثرت نہیں ہے۔ معلولات کی کوئی صفت اس
کو لاحق نہیں ہوتی۔ اس نے اپنی مخلوقات میں سے اہل تمیز و عقل کو اس
بات کا مکلف کیا ہے کہ اس کی ربوبیت کا اقرار کریں اور ان کے لئے راستے
واضح اور روشن کئے ہیں اور اس نے لوگوں پر اپنی حجت تمام کرنے اور ان کو
راہ حق دکھانے کی غرض سے رسولوں کو بھیجا ہے اور ان کو اس کا حکم کیا ہے
کہ وہ اس کی رضا کی طرف لوگوں کو دعوت دیں اور اس کے غضب سے ان کو
ڈرائیں (۱۶۲)۔

پھر آگے چل کر انہیں لوگوں کی نسبت مرقوم ہے۔

”یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے اور حنیفیت
کی طرف بلاتے تھے۔ ان لوگوں کے ہاں نماز بھی تین وقت کی
تھی۔ قبلہ بھی تھا روزے بھی تیس دن کے تھے۔ جنابت سے

غسل کرنے کا حکم بھی تھا اور محرّمات طعام بھی تھے۔ (۱۶۳) -
سید محمود شکری آلوسی تو حران میں بھی ان لوگوں کا پتہ بتاتے
ہیں ، چنانچہ کہتے ہیں (۱۶۴) -

وهؤلاء كانوا قوم ابراهيم الخليل وهم اهل دعوتہ كانوا بحرّان فہی
دار الصایبہ -

اور یہ لوگ حضرت ابراہیم خلیل کی قوم اور ان کے اہل دعوت
تھے اور یہ حران میں تھے اور حران صایبہ کا وطن ہے -

پھر ان لوگوں کے اعمال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان صایبہ
میں متعدد گروہ ایسے ہیں جو ماہ رمضان کے روزے رکھتے ہیں ، نماز کعبہ کی
طرف رخ کر کے ادا کرتے ہیں ، مکہ کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں - مردار خون اور
خنزیر کو حرام جانتے ہیں ، ذوی الارحام سے نکاح کو مسلمانوں کی طرح حرام
سمجھتے ہیں (۱۶۵) -

یہی وہ صایبہ ہیں جن کی نسبت متعدد مورخین نے لکھا ہے کہ دمشق
کی مسجد جامع انہوں نے بنائی تھی (۱۶۶) -

بہر حال مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں اس میں کوئی شبہ باقی
نہیں رہتا کہ صایبہ اور حنفا دونوں مترادف الفاظ ہیں اور قرآن جن کو صایبہ
کہتا ہے وہ حجاز میں کم از کم حنفا کے نام سے معروف تھے -

لیکن معاملہ اسی پر ختم نہیں ہو جاتا - بلکہ اب سوال یہ پیدا ہوتا
ہے کہ یہ حنفا کون تھے ؟ اصل یہ ہے کہ جو صورت حال صایبہ کے معاملہ
میں پیش آئی ہے وہ ہی حنفا کے سلسلہ میں پیش آئی ، یعنی درحقیقت حنفا
وہی لوگ تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کے متبع اور اس کے پیرو
تھے اور توحید پر ایمان رکھتے تھے - لیکن جب عرب میں عمر بن لعی الخزاعی
نے بت پرستی اور شرک کی ترویج کی تو بہت سے لوگ جو حنفا کہلاتے تھے ،
وہ بھی صراط مستقیم سے ہٹ کر بت پرستی میں مبتلا ہو گئے اور نتیجہ یہ ہوا
کہ حنیفیت نام شرک کا ہو گیا - چنانچہ عہد جاہلیت میں بت پرست بھی عام

طور پر کہتے تھے کہ ہم دین ابراہیم علیہ السلام پر ہیں (۶۷)۔

ایک روایت ہے کہ ابو عامر النعمان بن صفی نے جوگ لے لیا تھا اور جسم پر ٹاٹ لپیٹے رہتا تھا۔ ایک مرتبہ یہ مدینہ آیا تو حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر پوچھا آپ کیا لاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ”حنیفیت یعنی دین ابراہیم“ اس شخص نے کہا۔ ”میں بھی تو اسی پر قائم ہوں“ حضور نے فرمایا۔ ”تو حنیفیت پر قائم نہیں ہے۔ بلکہ تو نے اس میں ان چیزوں کو داخل کر لیا ہے جن کا حنیفیت سے کوئی علاقہ نہیں ہے۔“ (۶۸)۔ اس روایت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ امتداد روزگار سے حنیفیت کی بھی اصل شکل و صورت مسخ ہو گئی تھی اور اصل و مسخ شدہ صورتوں میں ایسا التباس پیدا ہو گیا تھا کہ لوگ عام طور پر دونوں میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نگار (لفظ حنیف) کی طرح پڑرسن لکھتا ہے۔

حنیف کے معنی بس وہی ہو سکتے ہیں جو شامی لفظ ”حنفہ“ کے ہیں یعنی مشرک (۶۹)۔ پھر، جو لوگ صراط مستقیم سے بہک گئے تھے ان کا معاملہ صرف بت پرستی تک محدود نہیں رہا بلکہ یہ لوگ ایک طرف یہودیت اور عیسائیت سے متاثر ہوئے اور دوسری جانب نوافلاطونیت نے ان پر اپنا رنگ جمایا تو پھر وہی غفلت عشرہ، نفوس مجرہ اور نجوم و کواکب کی باتیں کرنے لگے۔ اس طرح حنیفیت اپنی مسخ شدہ صورت میں بھی کسی ایک خاص نہج پر قائم نہیں رہی اور مختلف عقائد و افکار کا معجون مرکب بن گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ حنیفیت کے معنی و مفہوم بھی بدلتے رہے۔ جس نے حنیفیت کو جس رنگ میں دیکھا اس کے وہی معنی بیان کر دیئے (۷۰)۔

دنیا میں خیر و شر ساتھ ساتھ چلتے ہیں مگر غلبہ کبھی اس کا ہوتا ہے اور کبھی اس کا۔ جس طرح ہدایت کے بعد گمراہی پیدا ہوتی ہے، اسی طرح گمراہی جب عام اور ہمہ گیر ہو جاتی ہے تو کچھ سعادت مند روحوں کو حق و ہدایت کی جستجو ہوتی ہے۔ ان میں جو خوش نصیب ہوتے ہیں وہ گوہر مقصود پالیتے ہیں اور دوسرے جستجو ہی کرتے کرتے حسرت لٹے دنیا سے رخصت ہو جاتے

ہیں۔ چنانچہ جب حنیفیت کی اصل شکل مفقود ہو گئی تو بعثت محمدی کے قریبی عہد میں عرب میں ایک طبقہ پیدا ہوا جو بت پرستی اور مشرکانہ اعمال سے سخت بیزار اور متنفر ہو کر اصل حنیفیت یعنی دین ابراہیمی کی تلاش میں نکل پڑا۔ یہ طبقہ حنفا کا تھا۔ جو شخص بت پرستی سے جو قریش کا عام مذہب تھی، بیزار ہو کر توحید کا قائل ہوتا اور دین ابراہیمی کے گمشدہ راستہ پر چلنے کی کوشش کرنے لگتا تھا، قریش اسی کے متعلق ”صبا فلان“ کے الفاظ کہتے تھے اور چونکہ خود آنحضرت ﷺ اس دین ابراہیمی کے داعی اور مجدد تھے، اس بنا پر قریش حضور ﷺ کی نسبت بھی یہ جملہ بولتے تھے جیسا کہ ہم شروع میں لکھ چکے ہیں۔

اس طبقہ میں ایک ممتاز شخصیت زید بن عمرو بن نفیل کی ہے جو حضرت عمر فاروقؓ کے چچا زاد بھائی تھے۔ سیر و اسمائے رجال کسی کتابوں میں ان کے حالات درج ہیں۔ ان سے اندازہ ہوگا کہ یہ طبقہ حنفا اپنے عقائد و افکار کے اعتبار سے عام عربوں سے کس درجہ ممتاز تھا۔ یہ نہ مشرک تھا، نہ یہودی، نہ نصرانی اور نہ مجوسی، توحید کا قائل تھا اور شرک سے بیزار اور اصل دین ابراہیمی کا جویا۔ چنانچہ زید بن عمرو بن نفیل جن کی آنحضرت ﷺ سے ملاقات تو ہوئی تھی، مگر آپ کی بعثت سے پہلے ہی انتقال ہو گیا تھا، کسی شخص نے ان کے متعلق حضور ﷺ سے سوال کیا تو فرمایا۔ ”زید جاہلیت میں عبادت کرتا تھا۔ اسے ابراہیم الخلیل علیہ السلام کے دین کی طلب تھی۔ وہ توحید کا قائل تھا اور کہا کرتا تھا۔ ”میرا معبود ابراہیم کا معبود اور میرا دین ابراہیم کا دین ہے۔ وہ قریش کے ذبیحہ پر اعتراض کرتا اور کہتا تھا۔ ”اللہ نے بکری کو پیدا کیا، آسمان سے اس کے لئے پانی برسایا اور زمین سے چارہ اگایا اور پھر بھی تم ہو کہمے غیر اللہ کا نام لیکر اسے ذبح کرتے ہو،“ (۱)۔ جو جانور غیر اللہ کے نام پر ذبح ہوتے تھے زید اسے نہیں کھاتے تھے۔ اس کے علاوہ بچوں کو زندہ درگور دفن کرنے کے سخت مخالف تھے۔ زید کو دین ابراہیمی کی طلب ہوئی تو اس جستجو میں وہ عراق و شام تک پہنچے۔ مگر کہیں اس کا

سراغ نہ ملا۔ آخر حیرہ کے ایک شیخ نے بتایا کہ تم خود اہل بیت اللہ میں سے ہو۔ تم جس کی (دین حنیف) تلاش میں ہو اسے لیکر ایک نبی تمہارے ہی درمیان مبعوث ہونے والا ہے، وہ پیدا ہو چکا ہے اور اس کی نبوت کے آثار بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔ زید کو اگر چہ آنحضرت ﷺ کی پیغمبری کا زمانہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ لیکن چونکہ وہ موحد تھے اور دین ابراہیمی کی طلب صادق رکھتے تھے اس لئے حضور نے ارشاد فرمایا۔ ”زید قیامت کے دن اس طرح اٹھایا جائے گا کہ وہ خود ایک امت ہوگا۔“ (۱)۔

بہر حال جس عہد کا ہم ذکر کر چکے ہیں اس میں جب حنیفیت کی اصلی شکل و صورت مسخ ہو کر عقائد و افکار باطلہ کا معجون مرکب بن گئی تو چونکہ دین حنیف اصلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہی طرف منسوب تھا اس لئے حنیفیت کی مسخ شدہ صورت کے جس پہلو کا جو گروہ حامل تھا اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف بھی اس کا انتساب شروع کر دیا۔ چنانچہ جو لوگ مشرک تھے وہ شرک کو، جو یہودی اور نصرانی تھے انہوں نے یہودیت اور نصرانیت کو اور جو نوافلاطونیت (NEO PLATONISM) سے متاثر تھے وہ نوافلاطونی عقائد و افکار کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں بڑی شدت، تکرار و تاکید کے ساتھ ان تمام خیالات و افکار باطلہ کی تردید کر کے ان سب چیزوں سے حضرت ابراہیم کی براءت کی گئی ہے۔ متعدد آیات اسی مضمون کی اوپر گذر چکی ہیں ان کے علاوہ اور بھی آیات ہیں۔ ان کا سیاق و سباق ان کا نظم و نسق کلام یہ سب اس بات کی کھلی دلیل ہیں کہ ان کا مقصد درحقیقت ان خیالات کی پرزور تردید کرنا ہے جو امتداد روزگار اور مختلف داخلی و خارجی اسباب کے ماتحت دین حنیف اور خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق لوگوں میں پیدا ہو گئے تھے اور جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ ان آیات کے علاوہ خود آنحضرت ﷺ نے بھی جب ضرورت ہوئی ان خیالات کی تردید فرمائی ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب قرآن میں صایب سے مراد یہی حنفا ہیں تو پھر اس کی وجہ کیا ہے کہ ان لوگوں کو زیر بحث آیات میں صایب کے نام سے پکارا گیا ہے اور ان کو حنفا نہیں کہا گیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ عہد نبوت سے ذرا قبل یہ حنفا اچھی خاصی تعداد میں تھے لیکن ان کی حیثیت جو کچھ بھی تھی انفرادی اور شخصی تھی اور انہوں نے کسی مذہبی فرقہ کی شکل اختیار نہیں کی تھی اگرچہ مستشرقین میں ڈاکٹر اسپرنگر کی رائے یہی ہے کہ حنفا ایک شریعت ثابتہ پر قائم تھے اور اسی لئے ایک مستقل فرقہ کی حیثیت رکھتے تھے لیکن عہد حاضر کے نامور محقق ڈاکٹر جواد علی نے اس خیال کی پرزور تردید کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

”یہ جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حنفا ایک رائے اور ایک دین پر تھے اور اس بنا پر وہ ایک ایسا ہی فرقہ تھے جیسا کہ یہودی اور نصاریٰ ہیں۔ بلکہ دراصل یہ حنفا متفرق قبیلوں کے چند افراد تھے جو کسی خاص ایک رشتہ سے وابستہ نہیں تھے۔ البتہ ان سب میں ایک بات مشترک تھی اور وہ یہ کہ یہ بت پرستی سے نفور اور اس کے منکر تھے اور اصلاح کے داعی تھے۔“

قرآن مجید کی جن آیات میں حنفا کا ذکر ہے ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، (۴۲) پس جب حنفا مستقل فرقہ کی کوئی شکل نہیں رکھتے تھے تو جہاں قرآن مجید یہود، نصاریٰ اور مجوسی ایسے مستقل مذہبی فرقوں کا ذکر کر رہا تھا، وہاں بلاغت کلام کا تقاضا یہی تھا کہ ان کو اس نام سے پکارا جائے جو ان کا دیرینہ فرقہ وارانہ نام (یعنی صایب) تھا، اور یہ بلا شبہ جیسا کہ قرآن سے ظاہر ہوتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اصل دین حنیف کے قائل ہونے کے باعث موحد اور اہل کتاب تھے۔

آخر میں اتنا اور عرض کر دینا ضروری ہے کہ جب دعوت محمدی کا

غلغلہ بلند ہوا تو جس طرح یہود اور نصاریٰ میں جو خوش نصیب اور سعادت مند تھے، انہوں نے اس پیغام کو لبیک کہا اور دل و جان سے قبول کیا مگر جن کی قسمت میں یہ سعادت نہیں تھی وہ اپنی ضد پر جمے رہے اور گمراہی سے نجات نہیں پا سکے۔ اسی طرح حنفا کے اس گروہ میں بھی دین و دنیا کی فلاح جن کے مقدر میں تھی انہوں نے اسلام کی دعوت کو قبول کیا اور جس گوہر مقصود کی جستجو میں یہ سرگرداں تھے اسے پالیا۔ لیکن امیہ بن ابی الصلت جس کی نسبت اس کے اشعار دیکھ کر آنحضرت ﷺ نے فرمایا تھا۔

آمن لسانہ و کفر قلبہ ، (۴۳)

اس کی زبان ایمان لاتی ہے اور اس کے قلب نے کفر کیا ہے۔
یہ اور اس جیسے اور بعض حنفا جن کی قسمت میں یہ سعادت نہیں تھی وہ اس سے محروم ہی رہے۔ اسی بنا پر قرآن کی صابیس والی آیات میں ان لوگوں کو یہود و نصاریٰ کے دوش بدوش ذکر کر کے فرمایا گیا ہے کہ ان لوگوں میں سے جو اللہ اور یوم آخر پر ایمان لے آئیں گے (یعنی دعوت محمدی قبول کر لیں گے) اور اعمال صالحہ کرینگے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہوگا۔ ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔



(حوالہ جات)

(۱) „من آمن“ کے بعد „منہم“ ”مقدر ہے تب ہی اس جملہ کا تعلق ما قبل کے ساتھ پیدا ہو سکتا ہے۔

تفسیر ابن جریر طبری مطبوعہ دار المعارف مصر ج ۳ ص ۱۳۸۔

(۲) لیکن افسوس ہے مفسرین نے اپنی عادت کے مطابق اس آیت کی تفسیر بھی اس طرح کی ہے کہ بات کچھ الجھ ہی جاتی ہے مثلاً طبری نے حضرت عبد اللہ بن عباس کا ایک اثر نقل کیا ہے کہ انہوں نے پہلے آیت ڈیر بحث ”ولاہم یحزنون“ تک تلاوت کی اور فرمایا اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ دوسری آیت نازل کی ”ومن ینع غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرہ من العاسرین“ (سورہ آل عمران - ۸۵) اس اثر کو نقل کرنے کے بعد طبری لکھتے ہیں اس سے معلوم ہوا ہے عبد اللہ بن عباس کی رائے بھی تھی کہ اس آیت میں اللہ نے پہلے وعدہ کیا تھا کہ یہود نصاریٰ اور صابی ان میں سے جو بھی عمل صالح کرے گا۔ (اسلام کو قبول کئے بغیر) اللہ

آخرت میں اس کو جنت عطا فرمائے گا اس کے بعد من یع والی آیت نازل فرما کر اس آیت کو منسوخ کر دیا نیز اس موقع پر طبری نے مشہور تابعی مفسر سدی سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں موصوف حضرت سلمان فارسی کے قبول اسلام کا واقعہ نقل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت سلمان نے خود مسلمان ہو جانے کے بعد جب آنحضرت ﷺ سے اپنے ساتھیوں کی نسبت دریافت کیا جنہیں وہ بیت المقدس کے گرجا میں چھوڑ کر آئے تھے اور کہا حضور ﷺ میرے ساتھی روزہ رکھتے اور نماز پڑھتے تھے اور آپ پر (غالباً) ایمان لائے ہوئے تھے کیونکہ وہ آپ کے مبعوث ہونے کی گواہی دیتے تھے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”یہ لوگ دوزخی ہیں۔“ سلمان کو یہ سن کر بڑا دکھ ہوا اور عرض کیا: ”اگر یہ لوگ آپ کی ہمت کا زمانہ پالنے تو بے شبہ وہ آپ کی تصدیق کرتے اور آپ کے پیرو ہوتے۔“ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے بعد طبری نے مجاہد سے بھی ایک روایت نقل کی ہے جس کا مضمون یہی ہے۔ البتہ اتنی بات زائد ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے سلمان فارسیؓ کو بلایا اور فرمایا: ”تمہارے ساتھیوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور اس کے بعد مزید فرمایا: ”جو شخص میری دعوت سننے سے پہلے دین عیسیٰ اور اسلام پر مرا وہ اچھی حالت میں ہے۔ مگر جس شخص نے میری دعوت کو سنا اور مجھ پر ایمان نہیں لایا وہ ہلاک ہوا۔“ (ج ۱۴ صفحہ ۱۵۰ تا ۱۵۵) لیکن احمد محمد شاکر جنہوں نے طبری کی احادیث کی تخریج کی اور ان پر حواشی لکھے ہیں مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کو منقطع بتاتے ہیں اس لئے ظاہر ہے ان پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر دونوں روایتوں کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اب تین اعتراض وارد ہوتے ہیں ایک یہ کہ جب معاملہ ان لوگوں کا تھا جن کو دعوت محمدی نہیں ملی اور ان کا خاتمہ اپنے مذہب کے مطابق ایمان اور عمل صالح پر ہوا تو آیت میں ان کے ساتھ ان لوگوں کو کیونکر ذکر کیا ہے جن کو دعوت محمدی پہونچی اور انہوں نے اسے قبول کیا۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آیت کے مضمون کو دو سورتوں، البقرہ اور المائدہ میں بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کے سوال کا جواب ایک آیت سے ہو جاتا ہے۔۔۔ پھر اس کی تکرار کی وجہ کیا ہے؟ تیسرا اعتراض یہ ہے کہ جن لوگوں کو دعوت محمدی نہیں پہونچی اور ان کا خاتمہ اپنے مذہب کے مطابق ایمان یا فہ اور عمل صالح پر ہوا آخرت میں ان کی مغفرت کا معاملہ تو بالکل واضح تھا۔ پھر حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ وہ دوزخی ہیں کس پر محمول کیا جائے گا؟

- (۴) طبری ج ۲ ص ۱۳۵ تا ۱۳۷۔
- (۵) النہایہ ج ۲ ص ۲۳۸۔
- (۶) لسان العرب ج ۱ لفظ صبا۔
- (۷) تاج المروس ج ۱ ص ۸۷ و تاریخ ابن خلدون ج ۵ ص ۲۰۔
- (۸) مروج الذهب مطبوعہ مصر ۱۹۵۸ء جلد دوم ص ۲۳۷۔
- (۹) حران صوبہ جزیرہ کا بہت قدیم اور مشہور شہر تھا تیرھویں صدی عیسوی کے ختم تک آباد رہا مشہور مورخ ابو الفدا متوفی ۱۳۳۲ء کے عہد میں ویران ہو گیا۔ اب اس جگہ ایک معمولی سا گاؤں ہے جہاں عہد قدیم کی عمارتوں کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔
- (۱۰) مروج الذهب ج ۲ ص ۲۳۷۔

- (۱۰) ایضاً ص ۲۵۰ -
- (۱۱) مطبوعہ لبرگ ۱۸۸۸ء ص ۲۰۳ و ۲۰۵ -
- (۱۲) ایضاً ص ۲۵۰ -
- (۱۳) کتاب الملل و النحل مطبوعہ لبرگ ۱۹۲۳ء ص ۱۸۵ -
- (۱۴) جلد اول ص ۲۳ و جلد دوم ص ۲۰۴ -
- (۱۵) جلد اول ص ۲۶ و جلد دوم ص ۲۰۳ -
- (۱۶) صفحہ ۲۰۳ -
- (۱۷) ج ۲ ص ۳۳۳ -
- (۱۸) الآثار الباقیہ ص ۲۰۶ -
- (۱۹) قدیم اڈیشن ج ۱ ص ۷۰ لفظ بدھ -
- (۲۰) جلد اول ص ۷۰ -
- (۲۱) الملل و النحل ج ۳۶۲ -
- (۲۲) انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ اتھکس ج ۲ ص ۸۸۱ -
- (۲۳) The Foreign Vocabulary of the Quran by Arthur Jaffrey P. 3
- (۲۴) فتوح البلدان بلاذری ص ۲۶۶ یوم جلولاہ الوقیفہ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے حضرت عمر سے حضور کا ارشاد نقل کیا تھا -
- (۲۵) حوالہ کے لئے دیکھئے سعودی - شہر ستانی اور بیرونی -
- (۲۶) مروج الذهب ج ۲ ص ۲۵۰ -
- (۲۷) جلد دوم ص ۲۲۳ -
- (۲۸) ایضاً جلد دوم ص ۲۲۳ -
- (۲۹) بلوغ العرب ج ۲ ص ۲۲۵ -
- (۳۰) عجیب نامہ ص ۳۸۲ -
- (۳۱) ایضاً -
- (۳۲) ص ۲۶۷ -
- (۳۳) Orgin of Islam in its Christian environment Page 60.
- (۳۴) تاریخ العرب قبل الاسلام ڈاکٹر جواد علی ج ۶ ص ۸۷ -
- (۳۵) Das Leben und Die Lehri Des Mohammad V. II P. 184.
- (۳۶) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام قدیم اڈیشن ج ۳ ص ۲۲ -
- (۳۷) جلد ۸ ص ۳۸۰ -
- (۳۸) جلد ۸ ص ۳۸۲ -
- (۳۹) جلد ۸ ص ۳۸۲ -
- (۴۰) جلد ۸ ص ۳۸۵ -
- (۴۱) ایضاً -
- (۴۲) The Mandaeans of Iraq and Iran Oxford P. XVI.
- (۴۳) The Mandeans of Iraq and Iran P: 15

- (۴۳) ایضاً ص ۲ -
- (۴۵) فتوح البلدان ص ۱۸۶ -
- (۴۶) Lane's Arabic English Lexicon V. 6 P: 215
- (۴۷) الفہرست ص ۳۳۵ -
- (۴۸) ص ۳، ۱۰۶، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۵ -
- (۴۹) ص ۱۸، ۱۰۱ -
- (۵۰) ص ۷۹ -
- (۵۱) ص ۸۰ -
- (۵۲) ص ۱۳۸ -
- (۵۳) Foreign Vocabulary of the Quran P. 191
- (۵۴) قدیم اڈیشن ج ۲ ص ۲۵۹ لفظ حنیف -
- (۵۵) الآثار الباقیہ البیرونی ص ۲۰۶ -
- (۵۶) مفردات امام راغب اصفہانی ص ۵۱۴ -
- (۵۷) مروج الذهب ج ۱ ص ۳۹ والآثار الباقیہ ص ۲۰۱ -
- (۵۸) مروج الذهب ج ۲ ص ۲۲۷ -
- (۵۹) ڈاکٹر اسپرنگر کہتے ہیں،، حرانی اپنے مذہب میں جو قدیم کلدانیوں کا مذہب تھا، عباسی خلافت کے قیام کے بعد بھی پختہ رہا، (انگریزی ترجمہ مروج الذهب جلد اول ۲۱۶ - پھر یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے،،، صاییم اور کلدانی یا،، کنعانی ایک ہی تھے،، (ص ۲۱۸) -
- (۶۰) انگریزی ترجمہ مروج الذهب جلد اول ص ۲۱۸ -
- (۶۱) الفہرست ص ۳۲ یہ صفحہ ابراہیم جن کا ذکر قرآن میں بھی ہے تعداد میں کتنے تھے؟ ابن ندیم نے ان کی تعداد دس لکھی ہے ص ۳۳ -
- (۶۲) الفہرست صفحہ ۲۳۲ -
- (۶۳) ایضاً ص ۲۴۳ -
- (۶۴) بلوغ العرب ج ۲ ص ۲۲۳ -
- (۶۵) ایضاً -
- (۶۶) عجب نامہ مقالہ جھوسی پڈرسن ص ۴۸۸ -
- (۶۷) تاریخ العرب قبل الاسلام جلد ۶ ص ۲۹۰ -
- (۶۸) تفسیر روح المعانی جلد ۹ ص ۱۱۱ -
- (۶۹) عجب نامہ ص ۴۹۰ -
- (۷۰) اسی لئے مسعودی نے حنیفیت کی دو قسمیں کی ہیں ایک حنیفیت اولیٰ جو دعوت ابراہیمی قبول کرنے کے بعد صاییم کا مذہب تھا اور دوسری حنیفیت ثانیہ جو بت پرستی اور شرک کے ہم معنی تھی،، (التنبیہ والاشراف ص ۱۱۸)

(١) اسد الغابة في معرفة الصحابة ابن الاثير ج ٢ ص ٢٤ - ٢٣٦ -

(٢) اسد الغابة ج ٢ ص ٢٣٤ -

(٣) تاريخ العرب قبل الاسلام ج ٥ ص ٥٩ -

(٤) صحيح مسلم كتاب الشجر -

